حسن مثنیٰ ندوی

پاکستان و ہندوستان کے خادمانِ سیرت

اردو زبان میں سیرت نبویؐ کی اشاعت و تبلیغ کا کام بڑی محنت، بڑی توجہ اور بڑے شد و مد سے ہوا ہے۔ اس کی ایک باقاعدہ تحریک چلی ہے اور اس عنوان پر مسلسل تصنیفات اور تالیفات وجود میں آئی ہیں اور آتی چلی جاتی ہیں۔ جس طرح ہر تحریک کے پیچھے کوئی اہم تاریخ اور کوئی بڑا پس منظر ہوتا ہے اسی طرح اس تحریک سیرت کے پیچھے بھی ایک اہم تاریخ اور ایک بڑا پس منظر ہے جس کا جاننا بہت ضروری ہے۔

مسلمانوں کا عروج

یہ برِ عظیم جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان اور ہندوستان کی دو آزاد مملکتوں میں تقسیم ہو گیا ہے اسلام کے ساتھ پہلی صدی ہجری ہی سے خصوصی ربط رکھتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک ایک طرف بحر ہند کے سواحل ملیبار و مدراس سے لے کر گجرات و کاٹھیاواڑ تک مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف سندھ کی وادی اسلام کی فوج ظفر موج سے معمور ہو گئی تھی۔ تیسری صدی کے اختتام پر غزنی میں جب ترکوں کی نوجوان تازہ دم قوم نے الپتگین کی رہنمائی میں سلطنت قائم کی تو اس سلطنت کے مشہور بادشاہ سلطان محمود غزنوی کے اقتدار و حکومت کی سرحدیں غزنی سے پنجاب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چھٹی صدی میں غوریوں کا دور آیا، پھر خلجیوں کا، پھر تغلقوں کا، پھر سادات کا اور لودھیوں کا اور تقریباً سارا برِ عظیم مسلم حکومت کے زیر نگین رہا۔

بخارا، بلخ، سمرقند، خوارزم، عراق اور ایران کے شہروں سے ارباب علم و ہنر سمٹ سمٹ کر قطار اندر قطار اس برِ عظیم میں پہنچے جن کا پہلا مرکز ملتان اور بھکر بنا۔ پھر لاہور اور سیالکوٹ۔ بعد میں شمس الدین التمش نے دہلی کو دار السلطنت بنایا تو ارباب ہنر دہلی میں سمٹ آئے اور دہلی بغداد و قرطبہ کی ہمسر بن گئی۔ ۷۹۶ھ / ۱۳۹۴ء میں خواجہ جہاں نے سلطان الشرق کے لقب سے جونپور کو اپنا مستقر بنایا تو علم و فضل کا مرکز "پورب" ہو گیا۔ فیض آباد (اودھ) الہ آباد اور عظیم آباد (پٹنہ) اس پورب کا "خطۂ علم و فضل" تھے۔ پھر مغلوں کا دور آیا۔ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر بہت بڑے بادشاہ ہوئے اور سارے برِ عظیم پر ایک وسیع و ہمہ گیر مسلم حکومت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک قائم رہی۔ ملک سرسبز و شاداب

رہا اور علوم و فنون بھی پھلتے پھولتے رہے۔

سلطنت مغلیہ کا خاتمہ

اورنگ زیب نے ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں وفات پائی تو مملکت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچی جو نصب العین اور مقصد حیات سے کورے ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود غرضیوں اور گروہ بندیوں نے قومی تنظیم اور ملی استحکام کو گھن لگا دیا، اور سب آپس ہی میں لڑ بھڑ کر تباہ ہو گئے۔ ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء سے لے کر ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء یعنی آخری بادشاہ مغلیہ بہادر شاہ ظفر تک اگرچہ مرکزی مسلم حکومت اور تخت و تاج دہلی کا نام باقی تھا مگر صرف نام ہی تھا ورنہ ملک و ملت۔ رہنماؤں کی نااہلی یا نااہلوں کی رہنمائی کی بدولت جنگ و جدل کی آماجگاہ اور انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سازشوں، ریشہ دوانیوں، ملک گیری کی چالبازیوں اور دسیسہ کاریوں کی جولانگاہ تھے۔ اور ان ہی کے نتائج تھے جو آخر کار ۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ کی ہولناک خونریزی و تباہی کی صورت میں رونما ہوئے۔ مسلم اقتدار کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہو گیا اور سارا برعظیم برطانوی شہنشاہی کا حصہ بن گیا۔

خونیں انقلاب کے بعد

اس پورے طویل زمانہ میں دوسری صدی ہجری سے لے کر عہد مغلیہ کے اختتام تک اس برعظیم نے بے شمار علماء و مصنفین پیدا کیے جنہوں نے معقولات و منقولات۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، نحو و صرف، لغت و لغت، معانی و بیان، منطق و کلام، تاریخ و سیر، فلسفہ و ریاضی وغیرہ تمام علوم و فنون میں ایک سے ایک بیش بہا تصنیفیں چھوڑی ہیں۔ بیشتر عربی میں اور کمتر فارسی میں۔ عہد مغلیہ کے اختتام تک فارسی سرکاری زبان تھی۔ ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب میں صرف یہی نہ ہوا کہ انگریزوں نے مسلمانوں کی سلطنت کا نام و نشان مٹا دیا۔ یہیں تک ہوتا تو کوئی بات نہ تھی حکومتیں آتی ہیں حکومتیں جاتی ہیں۔ دنیا میں ایسے نشیب و فراز ہوتے ہی رہتے ہیں مگر یہاں یہ ہوا کہ انگریزوں نے ساری مسلمان قوم کو نشانۂ عتاب و انتقام بنایا۔ ان کی جمعیت و تنظیم اور معاشرے کو پراگندہ کیا۔ ان کے نظام تعلیم اور نظام معیشت کو درہم برہم کر دیا۔ نظام صنعت و حرفت کو بکھیرا۔ ان کی صلاحیتوں کو کچلا۔ چن چن کے ان کے علماء اور زعما کو تہ تیغ کیا۔ جو بچ رہے ان پر مقدمات چلائے پھر ان کو گولی مار دی یا عبور دریائے شور کی سزا دی۔ غرض خواص کو اور عوام کو طرح طرح سے تباہ و برباد کیا۔ اور یہ سب کچھ باقاعدہ اسکیم اور پلان کے ساتھ ہوا۔ ہندوؤں کو ان کے خلاف ابھارا گیا۔ اکسایا گیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہندوؤں کو بڑھایا گیا۔ مسلمانوں کو گرایا گیا۔ یہ انگریزوں کی مستقل پالیسی رہی۔ اسی پر بس نہیں ہوا۔ خود اسلام پر بھی ہر طرف سے حملے شروع ہو گئے۔ ایک طرف عیسائی مشنریاں تھیں۔ دوسری طرف ان کی شہ پر ہندوؤں کی آریہ تحریک اٹھی۔ اور یورپ کے مستشرقین۔ سب کا نشانہ اسلام تھا۔ اور سب کی کوششیں مسلمانوں کے خلاف تھیں۔

مخالفِ اسلام سرگرمیاں

"مستشرقین یورپ کی جماعت آگے بڑھی اور اس نے علوم و فنون اسلامیہ کا مطالعہ شروع کیا اور ان میں سے کوئی نہ کوئی بات نکال کر اس پر اعتراضات شروع کیے اور تیور محققانہ و عالمانہ رکھا۔ اس کا اثر نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں پر ہونے لگا۔ یورپ کے نئے دور میں علم کلام کا مرکز فلسفہ سے کچھ ہٹ کر تاریخ کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ لہٰذا تاریخی ریشہ دوانیاں اسلام کے خلاف زور شور سے ہوئیں اور آج تک جاری ہیں۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسکولوں میں جہاں خود برِعظیم کے مسلمان بادشاہوں کی تاریخ توڑ مروڑ کے پڑھانی شروع کی (جن کی اصلیت ملک کے علماء و مصنفین اس عہد سے آج تک برابر واضح کرتے رہے) وہاں آں حضرت ؐ کی سیرت طیبہ کو بھی طرح طرح سے توڑا مروڑا گیا۔ اس کا مقصد صرف اسلام کی طرف سے شبہات و شکوک پیدا کرنا نہ تھا بلکہ یہ بھی تھا کہ اسلامیانِ برِعظیم کی قلبی و روحانی وابستگی پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ اور عالم اسلام کے ساتھ کم سے کم تر ہو جائے۔ اس دور کو اور مسلمانوں کے تصور وحدت اسلامی کو ذہن میں رکھیے۔

ہندوستان میں ڈاکٹر اسپرنگر اس طرز عمل کے پہلے علمبردار تھے جو اس زمانے میں دلّی کالج اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سربراہ تھے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی ان کا حملہ شروع ہوا تھا۔ پھر صوبہ یوپی کے گورنر سر ولیم میور اور ان کے معاصرین ڈاکٹر جے۔ اے مولر۔ ڈاکٹر ویل۔ وان کریمر، برتھالمی سینٹ ہیلر۔ نولڈیکی۔ و لھاژن۔ گولڈ زیہر۔ رینان وغیرہ فضلائے یورپ نے اور پھر اخیر میں پروفیسر مارگولیوتھ وغیرہ نے یکے بعد دیگرے بڑی محنت سے اپنا کام انجام دیا اور اب تو پوچھنا ہی نہیں بے شمار حضرات نکل پڑے ہیں حتیٰ کہ خود اسلام کے گھر میں بھی لوگ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے"

مسلمانوں کی جوابی تحریکیں

اسلام کی طرف سے مخالفین کے ان حملوں کا جواب دینے کے لیے ملک میں متعدد اہل علم اٹھے اور جس سے جو بن آئی اس نے کیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ ڈاکٹر وزیر خاں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا رحم علی۔ مولانا عنایت رسول۔ مولانا سید احمد خاں۔ مولانا چراغ علی۔ مولانا سید محمد علی مونگیری وغیرہ سامنے آتے رہے۔ (اور پھر بعد میں جسٹس امیر علی کلکتہ۔ مسٹر صلاح الدین خدا بخش پٹنہ وغیرہ نے قلم اٹھایا)۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے انداز سے ان عیسائیوں اور آریوں کا جواب دیا۔ مولانا سید محمد علی مونگیری نے تحفۂ محمدیہ کے نام سے اور مولانا سید احمد خاں نے تہذیب الاخلاق کے نام سے رسالہ بھی نکال لیا تھا۔ سر ولیم میور کی مشہور زہریلی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے جواب میں سر سید نے ۱۸۶۹ء میں اپنی کتاب خطباتِ احمدیہ خاص طور پر لندن جا کر مرتب کی تھی۔ پھر مشہور شیعی عالم چراغ علی نے انگریزی زبان میں "محمدؐ دی پرافٹ" جوابی طور پر لکھی۔ ان کا سلسلۂ تصانیف ۱۸۸۵ء سے شروع ہوتا ہے۔

لیکن یہ ساری خدمات و مساعی انفرادی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی ہولناک داروگیر کے بعد اس عہد وحشت و بربریت میں مسلمان بحیثیت قوم کسی قسم کی کوئی سیاسی جنبش تک نہ کر سکتے تھے حالانکہ یہ سارے حملے جو اسلام پر ہو رہے تھے اصلاً سیاسی ہی تھے۔ تاہم کچھ عرصہ بعد چار تحریکیں یکے بعد دیگرے وجود میں آئیں۔ تحریک دیوبند۔ تحریک علیگڑھ، تحریک ندوہ اور تحریک سیرت اور ان تحریکوں کی بدولت مسلمانوں کی کوششوں نے منظم اجتماعی شکل اختیار کر لی۔

تحریک سیرت

اسلام کی طرف سے عیسائیوں اور آریوں کے حملوں کا جواب بھی انفرادی طور پر دیا گیا۔ وقت کے وقت ان کا پورا توڑ بھی کیا گیا۔ اعتراضات و شبہات کی صحت و عدم صحت کی حقیقت بھی واضح کی گئی۔ اور ملّی تنظیم کا آغاز بھی کیا گیا۔ ملّت اسلامیہ ہندیہ کا اپنا حال کیا تھا۔ وہ اپنے ملّی نظام تعلیم اور نظام معاشرہ سے محروم ہو کر منتشر ہو چکی تھی۔ اس کا تسلسل حیات اجتماعی منقطع ہو گیا تھا۔ اس کی ایک پوری نسل انقلاب و انتقام کے ہاتھوں بیچ سے ختم ہو چکی تھی۔ انگریزی نظام سیاست کی بدولت غربت و افلاس اور ذہنی و فکری انتشار اس کے اندر عام تھا۔ اسے از سر نو سمیٹنا اور سنبھالنا جا رہا تھا۔ وہ خود ہی محتاج تھی کہ اسلام اور اسلام کی تاریخ سے پوری صحت و سند کے ساتھ اسے باخبر کیا جائے۔ اس کی پراگندہ حالی و پراگندہ خیالی کو دور کیا جائے۔ تعلیمی اصلاح و تنظیم کے ساتھ ساتھ روحانی تزکیے اور اخلاقی تربیت اور کردار و عمل کے اسباق پڑھائے جائیں۔ خود آگاہی و خود شناسی کی تلقین کی جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے بجز سیرت طیبہ کی اشاعت عام کے اور کوئی دوسرا ذریعہ اور وسیلہ نہ تھا۔ کہ وہی ملت اسلامیہ کے لیے داروے حیات تھی۔ لہذا تحریک سیرت کی بنیاد پڑی۔ ملت اسلامیہ کی زندگی میں سیرت طیبہ کا درجہ وہی ہے جو آدمی کی زندگی میں اس کی شہ رگ کا ہے۔ اور اس شہ رگ کو بچانے کی اور صرف بچانے ہی کی نہیں بلکہ صحیح طور پر اس کو جسد ملّی میں کار فرما باقی رکھنے کی شدید جد و جہد مسلمانوں نے کی اور وہ از سر نو تازہ دم ہو گئے۔ سنبھل گئے۔ ہندوستان کے ماضی قریب کی تاریخ ملّی تو یہی بتاتی ہے۔

سید احمد خاں

اس دور کے خادمان سیرت میں سب سے پہلا نام تحریک علی گڈھ کے بانی سیّد احمد خاں کا ہے۔ جنہوں نے یورپی مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا بہت مدلل اور موثر جواب دیا۔ سر سید نے سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے جواب میں اپنی مشہور کتاب "خطبات احمدیہ" لکھی۔ جس کو اردو زبان میں سیرت کی پہلی تصنیف کہنا چاہیے۔ سر سید نے یہ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی تھی حتٰی کہ عبرانی بائبل کے حوالے بھی اسی زبان کے حروف میں پیش کئے ہیں اور پھر رومن تلفظ کے ساتھ ان حوالوں کے ترجمے بھی درج کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب نہایت سنجیدہ اور مدلل ہے اور اس میں ولیم میور کے اعتراضات کا جواب بھی بڑے اچھے انداز میں دیا گیا ہے۔

شاہ سلیمان پھلواروی

تحریکِ سیرت کی بنیاد مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں رکھی تھی۔ ان کا وطن پھلواری (پٹنہ، ضلع عظیم آباد) تھا۔ یہ بستی زمانۂ قدیم سے شریعت و طریقت کا گہوارہ چلی آتی ہے۔ اس کی حیثیت ایک بڑی درگاہ کی تھی۔ جہاں ماہ مبارک ربیع الاول میں عرس کے موقع پر ہزارہا کی تعداد میں لوگ دور دراز گوشوں سے بھی کھنچ کھنچ کر پہنچتے تھے اور چاند رات سے بارہ بلکہ پندرہ تاریخ تک زبردست اجتماع رہا کرتا تھا اور اس اجتماع نے دوسری تمام بڑی درگاہوں کے اعراس کی طرح ایک بڑے میلے کی صورت اختیار کر رکھی تھی۔ مولانا نے اپنی اسی بستی، اسی موقع اور اسی مہینے کو آغازِ تحریک کے لیے منتخب کیا۔ اور اس میلے کو بیانِ سیرت و تذکرہ تاریخِ اسلام کے اجتماع و اجلاس میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے چاند رات سے روزانہ شبِ دوازدہم تک ایک نئے انداز سے سیرت کا بیان شروع کیا۔ اور اس اندازِ بیان کو سارے ملک میں رواج دیا۔ یہ بیان وہ اپنے گھر پر کرتے تھے جو اب "خانقاہ سلیمانیہ" ہے۔

برعظیم میں ذوقِ سیرت پیدا کرنے کی یہ پہلی بنیاد تھی۔ اس سے زیادہ قدیم کوئی محفلِ سیرت اور نہیں ہے۔ پھلواروی سے یہ تحریک ملک کے طول و عرض میں خوشبو کی طرح پھیلی اور سیرت کی محفلوں، کمیٹیوں اور باقاعدہ تصانیفِ سیرت کی محرک ہوئی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء، اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے اجلاس اس زمانے میں بڑے اہتمام اور تزک و احتشام کے ساتھ ہونے لگے تھے۔ یہی اس عہد کے بڑے تنظیمی ادارے تھے۔ ان تمام اداروں کو بھی انہوں نے اپنی ذات سے اور اپنے پُر اثر وعظوں سے بیانِ سیرت کا اجلاس بنا دیا تھا۔ بلکہ پشاور سے رنگون تک کوئی چھوٹا بڑا اجتماع یا اجلاس ایسا نہ ہوتا تھا جس میں ان کی شرکت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو۔ وہ اس عہد کے نہایت ہی محبوب و مقبول رہنما تھے۔ اس طرح سارے ملک میں انہوں نے ایک خاص لگن پیدا کر دی۔

۱۸۸۵ء سے لے کر اب تک یوں تو اس تحریک کی روح برابر اپنا کام کر رہی ہے اور اربابِ علم و نظر اس کی طرف متوجہ ہیں۔ اور خدمت چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، پہلے ہو یا بعد میں، مسلک و مقصود میں منسلک ہے تو اپنی اپنی جگہ ہر ایک اہم ہوتی ہے۔ مگر تین ہم ناموں (سلیمانِ ثلاثہ) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ دیکھئے کہ سیرتِ نبوی کو انہوں نے پیش کس انداز میں کیا اور تربیتِ فکری و نظری کے اعتبار سے اس کا درجہ کیا ہے۔

بانیِ تحریک سلیمان اول کے بیانِ سیرت کی خصوصیات حسبِ ذیل تھیں:

(۱) رسول اللہ کی زندگی، نبوت، نزولِ وحی، تبلیغ، غزوات، اور دوسرے تمام واقعات کا بیان زمانی تسلسل کے ساتھ تفصیل سے ہوتا۔

(۲) تمام اسماء، انساب، مقامات، جغرافیے اور سنین کی پوری پوری تعیین ہوتی تھی۔

(۳) تاریخی روایات کے محض حوالے پر اکتفا نہ ہوتی بلکہ جا بجا ان پر قرآن سے، عقل و درایت سے، رجال سے، اصول جرح و تعدیل اور معیار سیرت کے نقطۂ نگاہ سے تبصرہ اور تنقید بھی کرتے جاتے۔

(۴) جہاں سیرت کی تفصیل پیش کی جاتی وہیں قدم قدم پر اپنی سیرتوں کو سیرت طیبہ کے آئینے میں دیکھ دیکھ کر سنبھالنے اور سنوارنے کی تلقین بھی ہوتی جاتی۔

(۵) یہ بیان محض علمی تحقیق اور خشک لکچر نہ ہوتا تھا بلکہ محققانہ اور متکلمانہ انداز کے ساتھ ساتھ عارفانہ شیفتگی و سوز وگداز اور برمحل اشعار مثنوی وغیرہ کی آمیزش سے پورا بیان روحانی تاثیر کا عجیب مرقع بن جاتا تھا۔ گویا بیک وقت وہ دماغ اور دل دونوں سے اپیل کرتے تھے۔ ان کا علم وفضل، ان کی سحر بیانی اور روحانی سوز وگداز آج تک ضرب المثل ہے۔

مولانا پھلواروی کی تحریک یہ تھی کہ اردو زبان میں کوئی ایسی جامع و مانع اور مستند کتاب مرتب کی جائے جو بحیثیت سیرت طیبہ و تاریخ دین متین مکمل ہو۔ اور مناظرہ وجواب سے قطع نظر خود ملت اسلامیہ کے سامنے اور اس کے توسط سے دنیا کے سامنے اسلام کی اور رسول اکرمؐ کی جامع تصویر پیش کرے۔ اولاً اس مقصد کی تکمیل کے لیے مولانا شاہ حسن میاں پھلواروی نے قلم اٹھایا اور مولانائے پھلواروی کی تحقیق وجستجو اور بیانات کو سمیٹ کر ایک جامع سیرت نبوی لکھنی شروع کی۔ حسن میاں کی سیرۃ النبی کے کچھ اجزاء میلاد الرسولؐ، حب رسولؐ اور خلق حسن کے نام سے چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں تو سامنے آئے مگر جامع سیرت نبوی کی تکمیل وہ نہ کر سکے۔

قاضی سلیمان منصور پوری

تحریک سیرت کے سلسلے میں دوسرا اہم نام مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا ہے۔ قاضی صاحب ریاست پٹیالہ پنجاب کے جج تھے اور وسیع النظر عالم و محقق تھے۔ ان کی مشہور کتاب رحمۃ للعلمین کی پہلی جلد ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب سیرت رسولؐ پر بحیثیت سیرت پہلی تفصیلی جامعیت کی کتاب تھی جو اردو زبان میں منظر عام پر آئی۔ یہ تحریک سیرت کے مقصد کے مطابق تھی اور قاضی صاحب نے سب سے پہلے یہ کتاب مرکز تحریک سیرت (پھلواری) کو بھیجی۔ قاضی صاحب کو اس مرکز سے خصوصی ربط تھا۔ حسن میاں نے تبصرہ و تنقید کے ساتھ قاضی صاحب کو لکھا کہ "اس کتاب کے بعد مجھے یہ کام کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی"۔ قاضی صاحب نے جب دوسری جلد شائع کی تو اس خط کا خاص طور پر تذکرہ دیباچے میں یوں کیا:

"پہلی جلد شائع ہونے کے بعد حسن میاں ولد شاہ سلیمان صاحب پھلواروی مدظلہ العالی کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ غزوہ خیبر کا پورا واقعہ اس کتاب سے غائب ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ میں نے اپنا مسودہ دیکھا تو اس میں غزوۂ خیبر پورا موجود تھا لیکن مطبوعہ کتاب دیکھی تو معلوم ہوا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا صحیح تھا۔ کاتب کی غلطی سے یہ پورا واقعہ درج ہونے سے رہ گیا۔ اس لیے اب میں دوسری جلد میں اس فتح سراپا ظفر کو بالتفصیل لکھتا ہوں۔"

قاضی صاحب کی اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اس تحریک کا مقصد صرف اشاعتِ سیرت ہی نہ تھا بلکہ ایسے ڈھنگ اور اسلوب کے ساتھ سیرتِ طیبہ کو پیش کرنا تھا کہ اس کا تسلسل تاریخی تک نظر انداز نہ ہو اور مرکز سیرت کی اس پر نگاہ رہتی تھی۔

رحمۃ للعالمین تین جلدوں پر مشتمل ہے اور ملک کے ہر گوشے میں اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مختصراً اس کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ پوری عالمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے جو روایت جہاں سے لی ہے وہاں حاشیے پر اس کا پورا حوالہ بھی درج ہے۔
۲۔ تمام واقعات جو سیرت سے متعلق ہیں سنہ وار ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔
۳۔ جہاں کوئی عمدہ نتیجہ مستنبط ہو سکتا ہے اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق ہے تو وہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔
۴۔ بائبل سے ہر جگہ استناد کر کے اہل کتاب پر حجت قائم کی گئی ہے۔
۵۔ زبان اردو ہر جگہ معیاری تو نہیں لیکن لب و لہجہ اتنا متین، سنجیدہ اور پُراثر ہے کہ مخالف سے مخالف پڑھنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مناظرانہ اور متشددانہ انداز سے پرہیز کیا گیا ہے۔
۶۔ مصنف نے اس کے صفحات پر دماغ کے ساتھ دل کے ٹکڑے بھی رکھ دیئے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے عشقِ نبوی اور حبِ انسانیت نمایاں ہے۔
۷۔ مصنف اپنے دور کی تمام جدید تحریکات اور علمی و تحقیقی اقدار سے بھی واقف ہے اور جابجا اسلامی اقدار و احکام سے ان کا مقابلہ کرتا جاتا ہے۔ نبوی غزوات، نظام زکوٰۃ، قانونِ طلاق وغیرہ کا ذکر آتا ہے، تو وہ صرف ان کا ذکر کر کے آگے نہیں بڑھ جاتا۔ بلکہ وہیں متن میں یا حاشیے پر ایسے اسلوب سے بحث کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے تمام شکوک خود بخود رفع ہوتے چلے جائیں، خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔
۸۔ تفحص و جستجو کا یہ عالم ہے کہ غزوۂ احد میں جس انصاری خاتون کے چار اعزا (شوہر، فرزند، باپ اور بھائی) شہید ہوئے اور اس نے کوئی پروا نہ کی۔ اس کا نام تلاش کرنے کے لیے انصار کے تمام انساب کو چھان ڈالا اور بالآخر اس خاتون کا نام "ھند" تلاش کر ہی لیا۔ اربابِ تاریخ و سیر نے قاضی صاحب کے پہلے اس خاتون کا نام کہیں درج نہیں کیا تھا۔
۹۔ دوسری جلد میں حضور اکرمؐ، اصحاب، ازواج، اولاد وغیرہ کے انساب کا جس طرح تفحص کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو فنِ انساب پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔ اس کے علاوہ سنین کی تحقیقات جو آخر کتاب میں درج ہے اس سے ریاضی کے اس فن میں بھی مصنف کے دخل اور وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔
۱۰۔ تیسری جلد میں حضور اکرمؐ کے خصائص اور اسلام کی خصوصیات بڑی خوش اسلوبی سے پیش کی ہیں۔

شبلی نعمانی

زبان و قلم کی ان دو گراں قدر خدماتِ سیرت کے بعد تو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میدان میں کسی کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی لیکن یہ واقعہ ہے کہ جگہ کبھی کسی کے واسطے کہیں ختم نہیں ہوتی۔ اسی زمانے میں مولانا شبلی نعمانی بھی سیرت النبی مرتب کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور ۱۹۱۲ء سے پورے عزم کے ساتھ کام شروع بھی کر دیا۔ لیکن ان کا پیمانۂ عمر جلد ہی لبریز ہو گیا۔ شبلی نے ابتدا کی مگر وہ ان کا آخری دور تھا اور کچھ ہی عرصہ کے بعد بسترِ مرگ پر پہنچ کر انہوں نے یہ "امانت" مولانا سید سلیمان ندوی کے سپرد کی اور آنکھیں موند لیں۔

جب پہلی مرتبہ لوگوں کو معلوم ہوا تھا کہ مولانا شبلی نعمانی بھی سیرت النبی لکھ رہے ہیں تو ایک اخبار نے لکھا تھا کہ "جناب قاضی سلیمان صاحب منصورپوری تو سیرت لکھ ہی چکے اب اس کی کیا ضرورت ہے اور اس سے زیادہ کیا کچھ لکھا جا سکتا ہے"۔

لیکن اخبار مذکور نے یہ محسوس نہ کیا کہ رسول اللہ صلعم کی شخصیت اتنی جامع ہے اور سیرت پاک ایک ایسا نگینہ ہے جس کے ہزاروں پہلو ہیں اور لکھتے وقت انسان کی محدود نگاہ ایک یا چند پہلو سے آگے نہیں بڑھتی۔ خود یورپ میں حضورؐ کی سیرت پر بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ بعض کا تو خیال ہے کہ ڈھائی ہزار سے کم نہیں لکھی گئیں۔ اس بیان کو انتہائی مبالغہ بھی قرار دیا جائے جب بھی ان کی تعداد کچھ معمولی نہیں رہتی۔ مشہور سیرت نگاروں میں ایڈورڈ گبن۔ جان ڈیون پورٹ۔ لینپلڈ کارلائل میور اور مارگولیتھ کو کون نہیں جانتا؟ انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ ایک مؤرخ پہلے اگر سیرت لکھ چکا ہے تو اب ہمارے لیے کوئی گنجائش کہاں باقی رہی؟

سید سلیمان ندوی

بہرحال مولانا شبلی نے سیرت النبی کا آغاز کیا لیکن اس کی تکمیل نہ کر سکے۔ قرعۂ فال پھر ایک سلیمان ہی کے نام پڑا اور فضائے علم و تحقیق علامہ سید سلیمان ندوی کے نام سے گونج اٹھی۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے اندر سیرت طیبہ کا ذوق، روحانیت اور شوقِ علم و تحقیق اولاً مولانا ئے پھلواروی سے پہنچا تھا جو ان کے بزرگ مربی اور رہنما تھے۔ اور پھر مذاقِ تصنیف و تدوین و قوتِ تحریر و طرز ادا مولانا شبلی نعمانی سے ملا تھا جو بڑے مورخ اور صاحب اسلوب ادیب و محقق و مصنف تھے اور ان کے استاد تھے۔ سید صاحب اپنے عہد میں اپنی جامعیت و کمال کے لحاظ سے "استاذ الکل" تسلیم کیے گئے۔ سید صاحب نے سیرت النبی کی تکمیل کی اور اس کی جلدوں پر جلدیں منظرِ عام پر آنی شروع ہو گئیں۔ یہ حقیقت ہے کہ سید صاحب نے اس خدمت کو ایک زندۂ جاوید کارنامہ، لازوال یادگار اور غیر فانی توشۂ آخرت بنا دیا۔ یہ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سیرت کی کونسی کمی باقی رہ گئی ہے جسے یہ تیسرا سلیمان پورا کرے گا۔ مگر سیرت کی ساری جلدیں آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی عالمگیر مقبولیت و اہمیت کا اندازہ لگانا بھی کچھ دشوار نہیں ہے۔ ایک سرسری نظر اس کی خصوصیات پر ڈالیے۔

۱۔ اس کی زبان ایسی معیاری اور اتنی بلند پایہ ہے کہ اردو ادب بہت کچھ ترقیاں کرنے کے باوجود ابھی تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

۲۔ سیرت نگاری میں جذبات کا عنصر اتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی اس کی ضرورت ہے، دل سے زیادہ دماغ کو پیش کیا گیا ہے۔ اس دور عقلیت کے عقلیت پسندوں، جدید تعلیم یافتوں، روشن خیالوں، مسلمانوں اور نامسلمانوں سب کے لیے یکساں موثر، اپیلنگ اور تسکین بخش ہے۔

۳۔ روایات پر محققانہ، ماہرانہ اور ناقدانہ بحثیں ہر جگہ نمایاں ہیں۔ جس روایت کو رد کرنا مقصود ہوا اس کے لیے عمدہ عقلی توجیہ پیش کی گئی ہے اور ایسے نازک موقع پر بھی علمی سنجیدگی میں ذرا فرق نہیں آتا۔ غیر ضروری اور مبالغہ آمیز روایات سے احتراز کیا گیا ہے۔ وہ بھی دلیل کے ساتھ۔

۴۔ مغربی مورخین کی تمام قدیم و جدید متعصبانہ نکتہ چینیاں پیش نظر رہی ہیں بلکہ ان مباحث میں ہتھیار تک بھی ان ہی کے استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر بحث کے انداز میں کہیں جوابی رخ نہیں ہے اور بحثیں اس حسن کے ساتھ کی ہیں کہ مسائل زیر بحث کے تمام پہلو ابھرتے اور نکھرتے چلے جاتے ہیں۔

۵۔ ملت کو عقلی ارتقا کی طرف لے جانے کی غرض سے قدیم انداز کو جدید قالب میں ڈھالنے کا ایک عمدہ نمونہ پیش کیا گیا اور جدید علم کلام کی شاندار رہنمائی کی گئی ہے۔

۶۔ رسولؐ کی سیرت پر ہر جگہ انسانی نگاہ ڈالی گئی ہے اور پڑھنے والا یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسانیت کا ہمدرد، بلند اقدار کا محافظ، اعلیٰ کردار کا حامل، سعی پیہم کا پیکر، اذکار عالیہ کا مخزن، بن کر اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے اگر کوئی واحد نمونہ ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہؐ کی پاک سیرت ہے ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، مسلمانوں ہی کے لیے نہیں ساری دنیا کے لیے کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔

۷۔ معجزات نبوی کے لیے ایک پوری جلد وقف کی ہے اور اس میں معجزے کی حقیقت اور مقام پر عقلی حیثیت سے ایسی پرمغز بحث کی ہے کہ اردو میں تو کیا دوسری زبانوں میں بھی ایک جگہ اتنا بڑا اور ایسا ذخیرہ نہیں ملے گا۔ پھر تمام صحیح معجزات کو ایک ایک کر کے اس طرح سمیٹا ہے کہ دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیا۔ پھر ان سب پر مدلل عقلی اور سائنٹفک بحثیں کی ہیں۔

۸۔ ایک جلد صرف اخلاق کے لیے مخصوص کی ہے۔ یہ مجموعہ بجائے خود بے حد اہم ہے۔ اس سے زیادہ جامع کتاب اس فن پر اور کہیں نہیں ملے گی۔ اخلاقیات کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات اور بڑے سے بڑے اصول کو اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ اب اس سے باہر کسی چیز کو تلاش کرنا اور پانا مشکل ہے۔ اخلاقیات ایک ایسی ہمہ گیر حقیقت ہے کہ زندگی

کا کوئی گوشہ اس سے باہر نہیں۔ سید صاحب کی تلاش و جستجو، وقتِ نظر اور ہمہ گیری نے پوری زندگی کو مجسّم کر دیا ہے جس کی اہمیت کا اندازہ لگانا اہل نظر ہی کا کام ہے۔

۹۔ ایک جلد اسلامی عبادات پر مشتمل ہے۔ بظاہر یہ سمجھ میں آنا دشوار ہے کہ صرف عبادات کے احکام اتنی ضخیم جلدیں کس طرح پھیل سکتے ہیں لیکن پڑھنے کے بعد حیرت ہوتی ہے کہ کس کس انداز سے ایک ایک چیز کا احاطہ کیا ہے۔ پھر ہر جگہ عبادت کا فلسفہ اور اس پر عقلی و علمی بحثیں ——— ایسی جامعیت بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

۱۰۔ سیرت النبی کی یہ تمام جلدیں اپنی وسعت مضامین و معلومات اور جامعیتِ مسائل حیات کے لحاظ سے اسلامی انسائیکلو پیڈیا ہیں۔

نیا تصور

سید صاحب کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ اس دور میں یہ ہے کہ انہوں نے "سیرت" کا ایک نیا تصور بخشا اور ایک جامع قدر عطا کی۔ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا تھا کہ سیرت کا تعلق صرف ان "واقعات" سے ہے جو ولادت سے وفات تک کے عرصے میں پیش آتے ہوں۔ انگریزی زبان میں اسی کو لائف کہتے ہیں۔ اس لیے حضور اکرمؐ کی سیرت یہی ہے کہ ولادت سے وفات تک تمام واقعات مرتب کر دیئے جائیں لیکن سید صاحب نے سیرت اور حیات (لائف) میں فرق کیا اور محدود تصور میں وسعت پیدا کی، اسے ہمہ گیر بنایا۔ سیرت النبی کی مسلسل جلدیں پیش کر کے انہوں نے دراصل یہ حقیقت واضح کی کہ رسولؐ کی زندگی کے چند واقعات ہی کا نام سیرت نہیں ہے بلکہ "رسالت" اس پوری انسانی زندگی اور اس کے ایک ایک گوشے سے تعلق رکھتی ہے۔ رسولؐ کی زندگی کو رسالت سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو اس کے اخلاق و کردار سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اکرمؐ کے اخلاق و کردار اور طرز حیات پر مختصر مگر جامع ترین تبصرہ یہی ہے کہ وکان خلقہ القرآن اور اسی کو قرآن نے یوں کہا کہ انک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم، لہذا سیرت نبوی کے دائرے میں چند تاریخی واقعات و سوانح ہی نہیں آتے بلکہ سارا قرآن آتا ہے۔ ساری تعلیمات آتی ہیں۔ فرامین، عقائد، معاملات، عبادات انداز زیست حتیٰ کہ حضورؐ سے کچھ تعلق رکھنے والے ان رفقاء کے سوانح حیات بھی آجاتے ہیں جو حضورؐ کے زیر تربیت رہے۔ غرض وہ ساری اسلامی زندگی اور فکر زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر بات جو حضورؐ سے کچھ بھی واسطہ رکھتی ہو ——— چاہے انفرادی چاہے اجتماعی ——— سیرت رسولؐ کے احاطے کے اندر ہے۔ سیرت کے اسی نئے تصور یا حقیقی تصور اور جامع قدر نے "سیرت النبی" کی جلدوں میں اتنا اضافہ کیا ہے اگر زندگی رہتی تو خدا جانے وہ اسے اور کہاں تک پہنچاتے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ ساتویں جلد زیر ترتیب تھی۔ یہ ساتواں سمندر یقیناً عصر حاضر کے مسائل و امور اور انسان کی جدید تر فکری و عملی زندگی پر محیط ہوتا۔ اور یہ سارے مسائل و افکار حاضرہ جانبِ وحی کی میزان پر ایک مرتبہ ابھی طرح

کھلتے، پرکھے جاتے اور اس حقیقت کی روشنی میں منظرِ عام پر آتے کہ اس دنیا میں سب سے بلند درجہ وحدتِ انسانی کا ہے جس کا رشتہ توحید سے بندھا ہوا ہے۔ اور اسی کے صحیح عرفان پر اہلِ دنیا کی سلامتی کا انحصار ہے۔ مگر وہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی ہم سے جدا ہو گئے۔

سیرت کمیٹی

اس سلسلے میں سیرت کمیٹی پٹی کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ اس نے متحدہ ہندوستان میں جا بجا بڑی تعداد میں سیرت کمیٹیاں قائم کیں۔ چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کر کے ہر جگہ پھیلا دیئے۔ ان رسالوں میں حضورؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کئی ایک رسالے غیر مسلموں کے لیے بھی شائع کیے اور ان اعتراضات کو دور کیا جو عموماً غیر مسلموں کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ اس کمیٹی نے بڑی شہرت حاصل کی لیکن ایک ذات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے یہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ اس کے بانی عبدالمجید صاحب قرشی تھے جو پاکستان میں آنے کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے اور یہ کام ان کے ساتھ ہی گویا ختم ہو گیا۔

چند اہم کتابیں

یوں تو بہت سی کتابیں چھوٹی بھی اور بڑی بھی سیرت پر اردو زبان میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن بیشتر نقل و اختصار یا اقتباس و تلخیص کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے ان کو چھوڑ کر اور پھر ان کو بھی چھوڑ کر جو انگریزی میں لکھی گئی ہیں جا بجا یہ بے موقع نہ ہوگا اگر چند کا تذکرہ کر دیا جائے۔ جو کسی نہ کسی اعتبار سے اہم ہیں اور خاص طور سے سیرت پر لکھی گئی ہیں یہاں ان کتابوں کو بھی ہم نظر انداز کریں گے جن میں سیرت، پوری کتاب یعنی تاریخ اسلام کے ایک حصے کی صورت میں آئی ہے۔ ان کے تذکرے میں زمانی تسلسل کا لحاظ بھی پیشِ نظر نہیں ہے۔

(۱) **تذکرۂ جمیل**، یہ کتاب مولانا شاہ محمد جعفر ندوی کی مرتب کردہ ہے۔ اس کے تین حصے ہیں پہلے حصے کے تین ابواب ہیں۔ مسلسل بیان سیرت انتیس[۲۹] وفود کا ذکر جو بارگاہِ رسالت میں آئے اور چودہ خطباتِ نبوی۔ دوسرے حصے میں قرآن مجید، جنگ و جہاد، تعدد ازواج النبی، قانون طلاق اور غلامی وغیرہ پر بحیثیت مسئلہ بحثیں ہیں۔ تیسرے حصے میں اسلام کا نظام الاخلاق ہے۔

(۲) **سیرۃ الرسولؐ**، یہ کتاب مولانا اسلم جیراجپوری کی تالیف ہے۔ مولانا سنجیدہ اہلِ قلم اور مورخ و محقق ہیں لیکن ان روایات کو قبول نہیں کرتے جو ان کی نظر میں قرآن سے متعارض ہوتی ہوں، وہ روایات پر ایک خاص انداز سے کڑی تنقید کرتے ہیں۔

(۳) **اصح السیر**۔ یہ کتاب مولانا عبدالرؤف قادری دانا پوری کی تالیف ہے۔ مولانا بڑے حنفی عالم اور مورخ ہیں سلجھا

معتدل انداز کی تحقیق و تشریح سے کام لیتے ہیں۔ اور اپنے استدلال کو روایات سے تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوسری جلد مکمل نہ ہو سکی۔

(۴) النبی الخاتمؐ۔ یہ مولانا مناظر احسن گیلانی پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی ایک غیر ضخیم تصنیف ہے۔ مولانا بڑے فاضل محقق ہیں اور وسیع النظر عالم۔ ان کی تحریر میں سوز و گداز بھی ہے۔ والہانہ کیفیت بھی اور محققانہ اشارات بھی۔

(۵) معراج انسانیت۔ اس کے مرتب مشہور اہل قلم غلام احمد صاحب پرویز (مدیر طلوع اسلام) ہیں۔ ان کی تصنیف معارف القرآن کی یہ چوتھی جلد ہے۔ لیکن یہ جلد سیرت طیبہ پر ہے اور اپنی جگہ مکمل ہے۔ اس میں التزام اس بات کا ہے کہ سیرت طیبہ صرف قرآن کی روشنی میں پیش کی جائے۔ اس لیے مصنف نے بعض ان واقعات کے اندراج سے گریز کیا ہے جو اور کتابوں میں موجود ہیں۔

(۶) اسوۃ الرسولؐ۔ یہ مولانا سید اولاد حیدر بلگرامی کی تصنیف ہے۔ مولانا مشہور شیعی عالم، مورخ اور اہل قلم ہیں۔ ان کی یہ کتاب شبلی اور شبلی کے مقدمۂ سیرت پر کڑی تنقید سے شروع ہوتی ہے۔ نقد و جرح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مگر شاید تکمیل کو نہ پہنچی صرف پہلی جلد شائع ہوئی۔

(۷) سرور عالمؐ، ریاست کپورتھلہ کے جج سید عبدالمجید نے لکھی ہے اور سیرت کی ایک مختصر کتاب ہے۔ انداز بیان بہت موثر ہے۔

(۸) رحمت عالمؐ، مولانا سید سلیمان ندوی کی لکھی ہوئی ایک مختصر کتاب سیرت ہے۔ اگرچہ بچوں کے لیے لکھی گئی ہے اور سادہ انداز کی کتاب ہے مگر بڑوں کے لیے بھی اتنی ہی مفید ہے۔

(۹) سوانح عمری محمدؐ، محمد شاہ خاں صاحب حنفی آفریدی کی لکھی ہوئی ہے اور سوانح عمری ہے۔

(۱۰) مہر نبوت، قاضی محمد صاحب منصور پوری نے اپنی ضخیم کتاب رحمۃ للعلمین لکھنے سے پہلے لکھی تھی۔ یہ سیرت کی ایک مختصر سی کتاب ہے۔

(۱۱) خاتم النبیینؐ، اس کے مولف مولوی محمد علی صاحب لاہوری ہیں۔ اپنا خاص محققانہ انداز ہے۔

(۱۲) حضرت محمدؐ، یہ ایک برہمو سماجی پنڈت نے اردو زبان میں لکھی ہے اور ایک مختصر کتاب سیرت ہے۔ برہمو سماج ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے جو تمام انبیاء و رسل کو مانتا ہے مگر ختم نبوت کا قائل نہیں۔

(۱۳) خطبات مدراس، مولانا سید سلیمان ندوی کے آٹھ لکچروں کا مجموعہ ہے۔ یہ لکچر انہوں نے ۱۹۲۵ء میں جنوبی ہند کی اسلامی تعلیمی انجمن کی فرمائش پر مدراس میں ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں کے مشترک اجتماع کے سامنے دیئے تھے۔ ہر خطبہ

سیرت کے الگ الگ پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ (۱) انسانیت کی تکمیل صرف انبیاء کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے (۲) عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہؐ کی سیرت ہے (۳) سیرت محمدیؐ کا تاریخی پہلو (۴) تکمیلی پہلو (۵) جامعیت (۶) عملی پہلو (۷) پیغمبر اسلام کا پیغام ——— پیغام محمدیؐ ——— ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے سابق سفیر مصر برائے پاکستان کے ایما پر کوئی دو سال قبل مولانا محمد ناظم ندوی نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا اور یہ کتاب مصر میں شائع ہو کر مقبول ہوئی۔

(۱۴) ختم المرسلینؐ، مولانا عبدالحلیم شررؔ مشہور مورخ اور ناول نگار و عالم و ادیب تھے۔ انہوں نے "ختم المرسلین" کے نام سے سیرت بھی لکھی تھی۔ اس موقع پر ہم مولانا شرر کی ضخیم کتاب جویائے حق کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو اپنے طرز کی نرالی کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کی زندگی اس انداز سے پیش کی ہے کہ ان کی زبان سے سیرت نبوی نہایت ہی موثر انداز میں (بطرز ناول) بیان ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا اسے ختم کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔

(۱۵) نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تالیف ہے۔ مولانا قدیم انداز کے بزرگ بڑے عالم اور مفسر تھے۔ اور ان کی تحریر میں سادگی ہوتی تھی۔

(۱۶) تذکرۃ المصطفٰےؐ، مشہور مورخ و محقق پروفیسر نواب علی کی تصنیف ہے۔

(۱۷) تاریخ احمدیؐ، یہ کتاب نواب پریاواں کی لکھی ہوئی ہے۔ انہوں نے ذخیرۂ کتب و روایات کو سامنے رکھ کر یہ سیرت مرتب کی ہے۔

(۱۸) پیغمبر صحراؐ، مشہور نو مسلم خالد لطیف گابا کی انگریزی تصنیف "دی پرافٹ آف دی ڈیزرٹ" کا ترجمہ ہے۔

(۱۹) حدیث دفاع، اردو زبان میں ایک تازہ ترین اور غالباً اپنے انداز اور زاویۂ نظر سے انوکھی کتاب وہ ہے جو حال ہی میں حدیث دفاع کے نام سے پاکستان کے ایک مشہور فوجی افسر میجر جنرل اکبر خاں نے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے غزوات نبوی پر جدید فنی و فوجی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے اور فوجی حکمت عملی STRATEGY یعنی مقامات جنگ، انداز جنگ اور اوقات جنگ کے انتخاب پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز میدان جنگ، صف بندی کے رخ اور فوجوں کی آمد کے راستے وغیرہ کے نقشے بھی دیئے ہیں ——— مصنف نے اپنی کتاب کا نام رکھنے میں بھی بڑی حسین ادبیت کا ثبوت دیا ہے۔

۲۰. سیرت اور مستشرقین انگریزی زبان سے جو تراجم ہوئے ہیں ان میں مولوی عبدالعلیم کی ... حسامی کی کتاب سیرت اور مستشرقین بھی شامل ہے ۔ اور بہت مفید ہے۔ یہ ولبازن کا ترجمہ ہے اور مترجم نے یہ التزام کیا ہے کہ ولہازن کی بحثوں اور رایوں پر محققانہ نقد و جرح ساتھ ہی ساتھ کی ہے۔ اور تفصیلی مدلل حاشیے لگا کر ان کی تصحیح کی ہے۔

یہ چند اہم کتابیں ہیں ان کے نام اور ان کے مصنفوں کے نام بھی ہم نے لکھ دیئے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ

ساری تصنیفیں نہیں اور بھی کتابیں ہیں جن میں کچھ ایسی ہوں گی جو ہماری نظر سے نہ گزری ہوں گی۔ پھر یہاں مقصود ان سب کا احصا بھی نہیں ہے۔ ہر مصنف کا کوئی نہ کوئی خاص زاویۂ نگاہ ہوتا ہے اور اپنی تصنیف میں وہ اسی زاویے کو سب سے زیادہ نمایاں رکھتا ہے۔ ان خصوصی زاویوں سے نہ جانے کتنی کتابیں اور لکھی جائیں گی۔ سیرت ایک حیات انگیز زندگی کا مرقع ہے اس شخصیت کا جس نے انسانیت کو پیغام حیات دیا ہے اور زندگی ہر لمحے آگے بڑھ رہی ہے۔ لہذا عنوانِ سیرت اور انداز جستجو بھی نئے سے نئے سامنے آتے جاتے ہیں۔

المختصر یہ ہے پس منظر اور ماحصل اس تحریک سیرت کا جو اس برعظیم میں ۱۸۵۷ء کی ہولناک تباہی کے بعد شروع ہوئی اور برابر ترقی کرتی جا رہی ہے۔

حیاتِ محمدؐ

مترجمہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی

مصر کے یگانۂ روزگار انشاپرداز محمد حسین ہیکل کی ضخیم کتاب کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ۔ اپنی افادیت، معنویت معلومات کی فراوانی اور طرز تحریر کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ صفحات ۱۲۴۱۔ قیمت ۲۲/۸ روپے۔

مسلم ثقافت ہندوستان میں

مصنفہ مولانا عبد المجید سالک

مسلمانوں نے ہندوستان پر مدتِ دراز تک حکومت کی اور ان کے دورِ حکومت ہی میں ہندوستان کی حقیقی عظمت کی تاریخ بنی۔ برکبیر پاک و ہند کو مسلمانوں نے ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب ثقافت اور زندگی کے مختلف شعبوں پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا یہ اس کتاب میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے قیمت بارہ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور